دوپٹہ

''بے وفا یہ تیرا مسکرانا بھول جانے کے قابل نہیں ہے۔''

کمرے میں عطاء اللہ کی پرسوز آواز اُبھری تو نائلہ نے چونک کر سر اُٹھایا۔

''تم سے کس نے کہا ہے کہ ٹیپ ریکارڈ کو ہاتھ بھی لگاؤ۔ کبھی دیکھی بھی تھیں یہ چیزیں.....؟'' وہ اس کے سر پر کھڑی حقارت سے کہہ رہی تھی۔

''مجھے بجانا آتا ہے جی..... یہ دیکھیں..... جس بٹن کے آگے 'پلے' لکھا ہے نا..... وہی دبایا تھا۔''

''ہونہہ.....! امی.....! امی.....!''

''کیا ہے نیلی بٹی.....؟'' بیگم شہاب الدین گھبرائی ہوئی اندر داخل ہوئیں۔

''یہ دیکھیں..... یہ ٹیپ ریکارڈ خراب کرے گا۔''

میں نے پوچھا کہ کل شب کہاں تھے پہلے شرمائے پھر ہنس کر بولے۔

آپ وہ بات کیوں پوچھتے ہیں جو بتانے کے قابل نہیں ہے۔

بیگم شہاب الدین نے کھٹ سے بٹن دبا کر آواز کا گلا دبایا۔

''کیوں بھئی.....! بہت پر لگ رہے ہیں۔ تمہارے پیٹ میں روٹی کیا پڑی آنکھیں ہی پھٹ گئی ہیں۔''

''وہ چچی.....!''

''کہاں سے لایا یہ بیہودہ کیسٹ.....؟''

''وہ..... جی..... میرے دوست کی ہے۔ وہ..... جی اس آدمی کی آواز اچھی لگی تھی۔ مم..... میں۔''

''ہاں .....اس آدمی کی آواز اچھی ہے مگر تیری قسمت بہت بری ہے۔ نامراد.....! تیرا باپ وراثت میں چھوڑ گیا تھا نا یہ عیاشیاں۔'' وہ نفرت سے ''تو'' پر اتر آئیں۔ ''خبردار.....! جو اس گھر کی کسی چیز کو چھیڑا۔ اپنے کام سے کام رکھا کر۔'' وہ جاتے جاتے غرائیں اور وہ لرز کر رہ گیا۔

نائلہ نے بڑے کٹیلے انداز میں مسکرا کر دیکھا اور ماں کے پیچھے چل دی اور اس مظلوم کی آنکھوں میں آنسو تیر گئے۔

♦ ♦ ♦

''اے نوابزادے.....! وہ مالی اکیلا درخت سے سر پھوڑ رہا ہے۔ جا کر اس کی مدد کرو۔'' اس نے کتاب سے سر اُٹھا کر دیکھا۔

''اس طرح کیا دیکھ رہے ہو، کچا چباؤ گے مجھے۔ جاؤ وہ درخت گراؤ۔ امی کہہ رہی ہیں۔''

اس نے کتاب کو ایک طرف رکھا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔ وہ زمین روندتی ہوئی اس سے پہلے چلی گئی۔

درخت بھی اس گھر کے افراد کی طرح بری طرح اکڑا ہوا تھا۔ ہلاتے ہلاتے اس کے ہاتھ شل ہو گئے۔

مالی پر بڑھاپے کا زمانہ آ رہا تھا اور اس کا لڑکپن تھا۔ درخت نہ ہوا اس گھر کے آگے جھومتا ہاتھی ہو گیا۔ جنبش دینا محال لگ رہا تھا۔ ایک گھنٹے کی تگ و دو کے بعد آخر کار وہ اسے گرانے میں کامیاب ہو گئے۔ لکڑہارے کو بلوا کر اس کی گدھا گاڑی پر لدوایا اور پیسے وصول کر کے آبلہ پڑے ہاتھوں پر سجا کر چچی کی خدمت میں پیش کر دیئے جو انہوں نے جھپٹ کر اپنے گریبان میں ڈال لئے۔

یہ خدمت بے صلہ عرصے سے جاری تھی۔ ماں باپ غریب ہوں یا امیر اولاد کے لئے چھتنار ہوتے ہیں۔ اس کا احساس اسے دن میں سینکڑوں بار ہوتا تھا اور یہ اس کی بدنصیبی ہی تو تھی کہ ماں اور باپ دونوں اسے اس بے رحم دُنیا کے طوفانوں میں بے بادبان چھوڑ گئے تھے۔

دیہات میں رہنے والا وہ سادہ لوح لڑکا..... شہریوں کے بارے میں بہت کچھ سوچا کرتا تھا۔ اور اب شہریوں کے بیچ دیہاتی ہونے کی سزا کاٹ رہا تھا۔

باپ کے مرنے کے بعد اس کی ماں نے اس کی تعلیم و تربیت میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی مگر وہ دَمے کو زندگی کا بچھونا بنائے ہوئے تھی۔ یہی بچھونا اسے قبر میں لے گیا، تو اکلوتے شہری چچا نے دست شفقت رکھا۔ اسے زندگی کی آس نظر آئی مگر یہ خوشی چند روزہ نکلی۔ چچا تو باہر کماتے تھے سال میں ایک ماہ وطن میں گزارتے تھے۔ کتوں کے آگے مرغن کھانے پھینکنے والی چچی کو اس کی دو روٹیاں گراں گزرتی تھیں۔ اور ان سے زیادہ ان کی بیٹی تھی جو اس پر زیادتی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتی تھی۔

چودہ برس کا بچہ جو کھانا کم اور غم زیادہ کھاتا تھا۔ پانی کے دو گھونٹ اور خون کے چار گھونٹ پیتا تھا۔ سارا دن نوکروں کی طرح کام کر کے جب اس کی کمر رات کو حالات سے باغی ہو کر بستر پر حکومت کرنے کی آرزو کرتی تو وہ نفس کے سرکش اقدام کو جبر کے کند ہتھیار سے زیر کر کے رات گئے تک پڑھا کرتا۔ اس قدر مصروفیت تھی کہ..... پڑھنے کی فرصت نہ تھی۔

دن میں تو کتابوں کو ہاتھ لگانا محال تھا۔ بقول چچی کے کہ باپ نے بھی کبھی شکل دیکھی تھی کتابوں کی۔ بن لئے وزیر..... ہونہہ.....''

میٹرک کرنے کے ساتھ ہی حکم صادر ہو گیا کہ بس کافی ہے۔ وہ تھرا کر رہ گیا۔ ماں باپ جیتے تھے تو ترقی پسند تھا مگر اب جنونی ہو گیا تھا۔ ناچار اسے چچا کو لکھنا پڑا کہ وہ مزید پڑھنے کا خواہشمند ہے۔ تب چچا کا خط آیا کہ روکا کس نے ہے جتنا چاہے پڑھو۔ وہ پرسکون ہو گیا۔

مگر چچی نے پہلی مرتبہ اس کے اُوپر ہاتھ بھی اُٹھا دیا، ''نامراد چغلیاں کرتا ہے۔''

اس نے اذیتوں کے درمیان کہا کہ اس نے اجازت مانگی تھی، کسی کی چغلی نہیں کی۔

چچا کی وجہ سے چچی مجبور ہو گئی تھیں مگر ان کا سلوک پہلے سے زیادہ ناروا بلکہ ناقابل برداشت ہو چکا تھا۔ خانساماں کے پچھواڑے انہوں نے پنجاب کی دودھیل بھینس باندھ رکھی تھی کہ نامراد خالص چیزیں تو نایاب ہو گئی ہیں۔ میری پھول سی بچی سوکھ کر کانٹا ہو رہی ہے۔ اسے خالص دودھ اور مکھن کی ضرورت ہے۔

بعض اوقات بھینس کے کام پر مامور نوکر کو دیر ہو جاتی تو چچی اسے بالٹی تھما کر کہتیں۔

"جا...... جا کر دودھ نکال، تجھے تو ویسے بھی ان کاموں کی عادت ہوگی۔"

وہ تو بہت نازوں سے پل رہا تھا۔ اس نے کبھی بھی یہ کام نہیں کئے تھے۔ مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق یہ بھی کرنا پڑتا۔

مگر ظلم...... ظلم ہے۔ اور جب وہ انجینئرنگ کے تیسرے سال میں پہنچا تو قیامت ہی ٹوٹ پڑی۔ چچا کا دماغ میں ہارٹ فیل ہوگیا۔ ان کا کیل ٹھکا تابوت دہلیز پر آیا تو چچی نے رو رو کر اسے کوسنے دیئے۔

"ہائے...... ! یہ منحوس جب سے آیا ہے اس گھر کے برے دن شروع ہوگئے۔ مجھے شوگر کی بیماری شروع ہوگئی۔ میری بچی کو کالرا ہوا۔ ارے روسیاہ......! تجھے تو میں اب ایک منٹ بھی نہ رکھوں گی۔"

اتنے بڑے صدمے میں بھی چچی کو باپ مارے کی عداوت کے سوا کچھ یاد نہ رہا تھا اور چچا کے بعد تو وہ ویسے بھی وہاں رُکنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ ہوسٹل اُٹھ آیا اور ایک شام کے اسکول میں ملازمت کر لی۔ کلاس ون۔ ٹو کے بچے پڑھاتے ہوئے بھی اس کا حساس دل اپنے چچا کے گھر والوں کے لئے تڑپتا رہتا تھا۔ مگر نکلے قدم وہاں پھر نہ اُٹھ سکے۔

• • •

"صاحب...... ! یہ لوگ تو عرصہ ہوا گھر چھوڑ چکے۔ اس میں نئے کرایہ دار ہیں عظیم الدین صاحب۔" ملگجے سے کپڑوں میں ملبوس چندھی آنکھیں کر کے نوکر نے بتایا۔

"معلوم تو ہوگا نا کسی کو، میرا مطلب ہے پڑوس میں کہ وہ لوگ کہاں گئے......؟" اس نے تفکر سے پوچھا۔

"جی...... ! آپ ضیا صاحب کے گھر معلوم کرلیں۔ وہ رہا لال گیٹ والا۔" نوکر نے رہنمائی کی۔ وہ آگے بڑھ گیا اور صد شکر کہ یہاں سے اس کی مشکل حل ہوگئی۔

اس نے دروازہ بجایا۔ کافی دیر بعد قدموں کی چاپ اُبھری۔ لکڑی کا بے رنگ دروازہ کھل گیا۔ سامنے جو خاتون کھڑی تھیں وہ بیگم شہاب الدین ہرگز نہیں ہوسکتی تھیں۔ موٹے موٹے شیشوں کی عینک لگائے وائل کے بے وضع سوٹ میں۔

انہوں نے حیرانی سے سامنے کھڑے نفیس اور مہکتے ہوئے نوجوان مرد کو دیکھا۔

"السلام علیکم چچی جان......!" ایک بھاری عاجزانہ آواز اُبھری۔

چچی جان اسے پہچان گئیں اور بھرائی ہوئی آواز میں بولیں۔ "وعلیکم السلام بیٹا......!" پھر شکستہ آواز میں بولیں۔ "اندر آجاؤ بیٹا......!" وہ ان کے پیچھے چلا آیا۔

دو مختصر کمروں کا گھر جہاں بیشتر چیزیں وہی پرانے گھر والی تھیں۔ باورچی خانے میں برتنوں کی کھٹر پٹر کی آوازیں آرہی تھیں۔ وہ خاموشی سے بیٹھ گیا۔ وہ نائلہ...... مغرور سی نائلہ کو دیکھنا چاہتا تھا۔

"اور سناؤ بیٹا......! کیسے ہو......؟" ان کی شکستہ آواز اُبھری۔

"بہت کرم ہے مالک کا، بہت خوش ہوں چچی......! کیا آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں......؟" اس نے جواب کے ساتھ سوال بھی آگے بڑھایا۔

"طبیعت تو تمہارے چچا کے ساتھ ہی دفن ہوگئی جس دن سے اللہ بخشے گئے سب ہی کچھ اُجڑ گیا۔ ان کی مرگ کا صدمہ کیا کم تھا کہ چوری بھی ہوگئی۔ نامراد سب ہی کچھ لے گئے۔" ان کی آواز میں آنسوؤں کی نمی تھی۔ "بس بیٹا......! تقدیر کی گردش نے گھیر لیا۔ وہ بھینس جو میں نے نائلہ کے لئے منگوائی تھی کتنے ارمانوں سے، کمبخت خانساماں لے کر بھاگ گیا۔ برے دنوں میں تو تم جانو سایہ بھی ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ مگر بیٹا......! ایک خیال آتا ہے کہ میں نے تمہارے ساتھ بہت زیادتی کی۔ خدا نے یہ میری پکڑ کی ہے۔ بہت معافی مانگی میں نے رب سے...... تم بھی مجھ بدنصیب کو معاف کردینا۔"

اس کا دل یہ سب سن کر افسردہ ہوگیا اور چچی کے معافی مانگنے پر شرمندہ بھی۔

"نائلہ کہاں ہے چچی......؟"

"ابھی آئی ہے بیٹا......! سامنے اسکول میں پڑھاتی ہے۔ جیسی تیسی گزر رہی ہے۔ برے وقت میں کون عزیز رشتہ دار ہوتا ہے۔ وہ جو بہنوں کے لئے میرے مہمان ہوا کرتے تھے، جھانکنے بھی نہ آئے۔ ائے...... ہائے۔" انہوں نے ٹھنڈی آہ بھری۔

"نائلہ......! نائلہ......! دیکھو بیٹا بھائی آیا ہے۔"

تب سفید کپڑوں میں زرد زرد سی جو لڑکی داخل ہوئی وہ نائلہ کا سایہ نظر آتی تھی۔

''السلام علیکم.....!'' اس کی خوبصورت سنجیدہ آواز اُبھری تھی۔

''کیوں بھئی.....! پڑھائی وڑھائی چھوڑ دی۔'' اس نے اپنی طرف سے پہل کی۔

''ارے بیٹا.....! جانے کس طرح بی اے کیا، یہ ہم ہی سے پوچھو۔'' انہوں نے نائلہ کے بجائے جواب دیا۔ نائلہ اسے دیکھ کر چونک سی گئی تھی۔ کہاں وہ پندرہ سولہ برس کا دُبلا پتلا لڑکا کہاں یہ خوبصورت سمر شلوار سوٹ میں نفاست سے ترشے ہیئر اسٹائل کے ہمراہ تر و تازہ سا صحتمند عثمان۔ وہ الگ جھینپی جھینپی سی نظر آ رہی تھی۔

''یہ گھر آپ نے کب لیا.....؟''

''لیا کہاں بیٹا.....! کرایے کا ہے۔ جب خوش حال تھے تو کون سا اپنا گھر تھا۔ وہ بھی کرایے کا تھا یہ بھی کرایے کا ہے۔ پرائیویٹ اسکول میں تنخواہ ہی کتنی ہوتی ہے۔ آدھی تو کرایے میں چلی جاتی ہے اور.....''

''بس کریں امی.....! یہ ہمارے دُکھڑے سننے نہیں آئے ہیں۔'' نائلہ نے ماں کو ٹوکا۔ وہ چپ سی ہو گئیں۔

''کیا کرتے ہو بیٹا.....؟'' انہوں نے اس کا حال پوچھنا شروع کر دیا۔

''انجینئرنگ پڑھ رہا تھا چچی جان.....! ظاہر ہے اب انجینئر ہوں۔''

جب نائلہ باہر چائے بنانے گئی تو اس نے چچی سے کہا۔

''آپ میری ماں کی جگہ ہیں۔ آپ سے ایک درخواست ہے کہ میرے ساتھ رہئے۔ یہ میری خوش نصیبی ہوگی۔''

''اے نہیں بیٹا.....! ہم نے تمہارے سر پر تاج اور پاؤں تلے مخمل بچھائی تھی نا..... ہمارا تو منہ ہی نہیں۔''

''چچی جان.....! مجھے کچھ یاد نہیں۔ میں سب کچھ بھلا چکا ہوں۔''

''کس منہ سے بیٹا.....! میں بہت شرمندہ ہوں۔''

''چچی جان.....! آپ مجھے شرمندہ نہ کریں۔ میرا گھر ویران ہے۔ آپ میری بزرگ ہیں۔ میری بات نہ ٹالیں۔'' اور وہ احساسِ ندامت سے خاموش ہو کر رہ گئیں۔

♦ ♦ ♦

خوبصورت اور ضرورت کی ہر شے سے مزین گھر دیکھ کر دونوں ماں بیٹی کو اپنا گزرا ہوا وقت یاد آ گیا۔ سکھ کے بعد دُکھ اُٹھانا بڑا صبر آزما مرحلہ ہوتا ہے۔ وقت نہیں کٹتا۔ زندگی اجیرن لگتی ہے۔

''چچی جان.....! ایک بیوہ عورت ہے جو میرے گھر کی دیکھ بھال کرتی ہے، بہت اچھی ہے۔ اسے نوکر سمجھ کر کبھی ڈانٹیے گا مت۔ بس یہی ایک درخواست ہے۔''

''اور نائلہ تم اپنے لئے کوئی سا کمرہ پسند کر لو جو تمہیں پسند آ جائے۔'' پھر چچی کی طرف پلٹا۔

''یہ آپ کا گھر ہے چچی جس طرح چاہیں چلائیں۔ آپ میری ماں ہیں۔''

بارِ ندامت سے چچی کی گردن نہ اُٹھ پاتی تھی۔ نائلہ سے اس کی بہت کم بات چیت رہتی تھی۔ وہ خود ہی اس سے بہت کترائی کترائی رہتی تھی۔''

خوبصورت پرسکون گھر تھا۔ چچی طمانیت کے سانس بھرتی تھیں۔ نائلہ منع کرنے کے باوجود اسکول جاتی تھی۔ عثمان نے چچی کے ذریعے صرف ایک مرتبہ کہلوایا تھا کہ وہ ملازمت نہ کرے۔ مجھے اچھا نہیں لگتا۔ مگر وہ خودسری کے انداز نہ بھول پائی تھی۔ اپنی من پسند ڈگر پہ رواں دواں تھی۔

ماں سے تنگ کر اور سخت لہجے میں بولی تھی۔

''آپ کا کیا خیال ہے۔ روٹی اور بستر کے علاوہ میری کوئی ضروریات نہیں۔ ویسے بھی مجھے مفت کی روٹیاں توڑنا پسند نہیں۔ مجھے کام کرنے کی عادت پڑ چکی ہے۔''

عثمان کو اس کی بات سے بہت دُکھ پہنچا تھا مگر وہ خاموش ہو کر رہ گیا تھا..... ایک گھر میں رہتے ہوئے بھی اس کا نائلہ سے بہت کم سامنا ہوتا تھا۔ چچی چند روز مہمانوں کی طرح رہنے کے بعد بے تکلفی سے گھر میں بہت مصروف رہنے لگی تھیں۔

چچی کے ساتھ لان میں کوئی خاتون بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ ان کی طرف آنے کے بجائے اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد چچی بھی وہاں چلی آئیں۔

''آج جلدی آ گئے بیٹا.....؟''

''جی ہاں.....! بس کچھ کام بھی نہیں تھا اور کچھ طبیعت بھی ٹھیک نہیں۔'' وہ تھکے تھکے لہجے

میں بولا.....

''کیا ہو گیا دُشمنوں کو.....؟'' وہ گھبرائیں۔

''بس ایسے ہی سر میں درد ہے۔'' وہ مسکرایا۔

''یہ کون صاحبہ تھیں لان میں.....؟'' اس نے سرسری پوچھا۔

''وہ بی بلاک کا پہلا بنگلہ ہے نا.....وہاں سے آئی تھیں۔'' وہ چونک گیا پھر دھیمی آواز میں بولا

''چچی.....! آپ سے ایک بات کہوں برا نہ مانیے گا۔ آپ ان خاتون سے زیادہ رابطہ نہ بڑھایئے گا۔ ان کے تین بیٹے ہیں، ایک اسمگلنگ کے الزام میں لندن کی جیل میں بند ہے جو دو یہاں ہیں ان کی شہرت بھی اچھی نہیں ہے۔ میں اس لئے بتا رہا ہوں کہ میں تو زیادہ تر گھر سے باہر رہتا ہوں۔ کبھی آپ کو کوئی پریشانی نہ اُٹھانی پڑ جائے۔''

''اے.....ہے.....اچھا.....لو بھلا کسی کے ماتھے پر تو لکھا نہیں ہوتا نا.....ویسے بیٹے یہ تو بہت شریف لگتی ہیں۔ ان کی بچی بھی بہت نیک لگتی ہے۔ نائلہ کے پاس آتی رہتی ہے۔''

''میں نائلہ کے خیال سے ہی آپ سے کہہ رہا تھا۔'' اس نے نظریں جھکا کر کہا۔

''ٹھیک ہے بیٹا.....! اب منہ پھوڑ کر یہ تو کہنے سے رہی کہ بہن یہاں نہ آیا کرو۔ ہاں بہت کہ ہم ان کے ہاں نہیں جائیں گے۔'' انہوں نے اس کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

''ہوں.....ٹھیک ہے۔'' وہ وارڈ روب کھولتے ہوئے بولا۔ وہ باہر آ گئیں۔

''اس طرح کسی پر شک نہیں کرتے امی.....! ایک کی سزا پورے گھر کو تو نہیں ملنی چاہئے۔ مجھے خود ہما بتا چکی ہے یہ بات۔ اس کے دونوں بھائی انتہائی شریف ہیں۔ اب ایک ہی تو سہیلی ہے میری یہاں۔ ہم اندھے نہیں ہیں۔ اچھے برے کی پہچان ہمیں بھی ہے۔'' وہ تمتماتے چہرے سے ماں کو سنا رہی تھی کہ وہ بچی نہیں ہے۔

وہ لاڈلی بیٹی کو برہمی کی حالت میں دیکھ کر باہر نکل گئیں۔

''ہونہہ.....! گاؤدی ہے بالکل، پڑھ لکھ کر کون سے سرخاب کے پر لگ گئے ہیں۔ جنگلی..... ہما کے بھائی کو دیکھ لے تو ساری قابلیت رفو چکر ہو جائے۔ ہینڈسم.....شوخ.....'' وہ کسی خوبصورت تصور سے مسکرا دی۔

رات کا کھانا کھانے وہ کمرے میں آیا تو چچی جان تنہا بیٹھی اس کا انتظار کر رہی تھیں۔

''نائلہ کہاں ہے چچی جان.....؟''

''اپنی سہیلی کے گھر سالگرہ میں گئی ہوئی ہے آتی ہو گی۔'' وہ جانے کیوں چور سی ہو رہی تھیں۔

''اچھا.....!'' وہ یہ کہہ کر پلیٹ میں سالن نکالنے لگا۔ ساتھ ہی ساتھ چچی سے باتیں کرتا رہا

چچی اپنے کمرے میں چلی گئیں مگر وہ سوئی کو دس کے ہندسے پر تھرکتا دیکھ کر پریشان ہو اُٹھا۔

گیٹ کے پاس کھڑا ہو کر ہاتھ کی اوک میں سگریٹ سلگا رہا تھا۔ سامنے بی بلاک کے بنگلے میں خلاف معمول بہت سی روشنیاں اور ہنگامے نظر آ رہے تھے۔ اس نے بلیو جھلمل ساڑھی میں نائلہ کو دیکھا جو ہما سے گرم جوشی سے ہاتھ ملا رہی تھی۔

وہ کش لیتا ہوا اس کا انتظار کرنے لگا۔ چند منٹوں کے بعد وہ گیٹ میں داخل ہوئی اور اسے کھڑا دیکھ کر ٹھٹھک گئی۔ پھر بے نیازی سے آگے بڑھ گئی۔

''نائلہ.....!'' اس نے پلٹ کر عثمان کو دیکھا۔

''یہ گھرانا شہرت کے لحاظ سے بہت برا ہے۔ تم جانتی ہو تمہارا ان سے میل جول مجھے پسند نہیں کہ تم اگر ان سے ملتی جلتی ہو تو لوگ تمہیں بھی انہیں جیسا خیال کریں گے۔''

''شاید تم ان لوگوں کے دُشمنوں سے ٹکرا گئے ہو۔ ورنہ ایسے نہیں ہیں یہ لوگ۔ میں ایک مضبوط کردار کی لڑکی ہوں۔ اپنی حفاظت کرنا خوب جانتی ہوں۔ پابندیاں مجھے کبھی بھی پسند نہیں آئیں۔ شاید آج ہم تمہارے گھر میں ہیں تو ہماری لگام تم اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتے ہو۔ تم خود ہی منتوں اور خوشامدوں سے امی کو یہاں لائے تھے۔ وگرنہ ہم حالات سے سمجھوتا کر چکے تھے۔ تم نے جو یہاں بلا کر ہماری عزت افزائی کی، ہمارا اسٹیٹس بڑھایا، اس کے لئے ہم تمہارے مشکور ہیں۔'' اس کے منہ سے انگارے سے برسنے لگے۔

وہ ساکت سا کھڑا رہ گیا۔ چچی کو کس قدر احساسِ ندامت ہے اپنے پچھلے رویے پر اور یہ وہی کی وہی ہے۔ اسے اس کے ان الفاظ سے بہت صدمہ ہوا۔ وہ تھکے تھکے قدموں سے اندر

پلٹ گیا اور اب تو وہ کھلم کھلا جاتی تھی۔ وہ چچی سے بھی بار بار نہیں کہہ سکتا تھا۔ وہ تو ان پر بھی برس پڑتی تھی۔ ہر وقت کی ذہنی کوفت سے وہ شل ہو جاتا تھا۔

رات کو تو ویسے بھی کہیں نہیں جاتی تھی مگر اسے دیکھ کر ہمیشہ کترا کر نکل جاتی تھی۔

وہ ویسے ہی خاموش طبع تھا یا مصلحتاً خاموش تھا۔

چچی پڑوس میں عیادت کو گئی ہوئی تھیں۔ وہ گھر آیا تو بوا کے سوا کوئی نظر نہ آیا۔ مغرب کی اذانیں ہو چکی تھیں۔ وہ نماز کے بعد بے چینی سے لان میں ٹہلنے لگا۔

بی بلاک کے اس بنگلے سے متعلق اس نے کئی کہانیاں آتے ہی سنی تھیں۔ ان کی لڑکی ہما۔ ڈاکٹر فرقان کی بیگم اس سے بہت ہی خوفزدہ تھیں کہ ان کا گھر اُجڑتے اُجڑتے بچا تھا۔ کوئی کہتا تھا ان کی ماں بازارِ حسن سے متعلق ہے جس کی بنا پر اس کی بیٹی ابھی تک بیٹھی ہے۔ کوئی کہتا تھا کہ کسی خاندانی نواب نے اس عورت سے شادی کر لی تھی جس سے یہ چاروں بچے تھے مگر ایک دن وہ چھوڑ چھاڑ کر رفو چکر ہو گیا کہ اس کے والدین کو بھنک پڑ گئی تھی اور اس کی پہلی بیوی نے زہر پھانک لیا تھا سن کر۔ یوں وہ آج تک روپوش ہے۔ یہ سب قصہ اس کے پڑوسی ڈاکٹر فرقان نے سنایا تھا جو اس سوراخ سے ڈسے جا چکے تھے۔ ان کا گھر بمشکل بچا تھا۔ اس لڑکی ہما کی وجہ سے۔ یہ وہ واحد پڑوسی تھے جن سے اس کا بے تکلفی سے ملنا جلنا تھا۔ اور ان کی بیگم سے اس کا دیورانہ سا تعلق ہے۔

چچی جان غالباً اپنے کمرے میں تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آج وہ اسے سختی سے ڈانٹ دے گا کہ وہ کوئی غیر تو نہیں ہے آخر اس سے بڑا ہے کچھ حق رکھتا ہے۔

اسی دم وہ ملگجے اندھیرے میں بھاگتی ہوئی اندر داخل ہوئی اور ایک دم ہی اس سے ٹکرا گئی۔ اس نے اسے جلدی سے تھام لیا۔ وہ بید کی طرح لرز رہی تھی۔ بری طرح ہانپ رہی تھی۔

''کیا بات ہے نیلی.....؟'' وہ اسے جھنجھوڑ کر بولا۔

اور وہ جیسے ایک دم حواسوں میں آ گئی۔ اور اس کے وجود سے ٹک کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''میں پوچھ رہا ہوں کیا ہوا.....؟'' وہ سختی سے بولا۔

''اور تم اس قدر ایڈوانس ہو گئی ہو کہ دوپٹہ بھی لینا محال ہو گیا ہے۔'' وہ اسے خود سے

علیحدہ کر کے کترائے کترائے انداز میں بولا۔

''اوہ.....!'' نائلہ نے اپنے سراپے پر نظر ڈالی۔ وہ بری طرح کانپ کر رہ گئی اور دائیں بائیں جھک کر دیکھنے لگی۔ ''دو..... دو دوپٹہ.....'' وہ بری طرح بوکھلا رہی تھی۔

''وہ دوپٹہ تھا، آپ کے سر کی بال پن نہیں۔'' وہ برافروختگی سے اسے دیکھ کر بولا جو واقعی اس طرح ڈھونڈ رہی تھی گویا وہ کوئی ذرا سی چیز ہو۔

وہ اسے کلائی سے پکڑ کر اس کے کمرے میں لے آیا اور شعلہ بار نگاہوں سے گھور کر بولا۔

''کیا کیا کھو کر آ گئیں.....؟''

اور وہ لرز اُٹھی۔ اور اس کے مقابل کھڑی ہو کر آنسو بھری آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔

''میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں۔ وہ واقعی بہت نیچ ہے۔ آپ نے ٹھیک ہی کہا تھا۔''

''ہے نہیں ہیں، مگر اب کیا ہو سکتا ہے۔ جو تم نے کرنا تھا کر چکیں۔''

''نہیں..... نہیں۔ آپ میری بات تو سنیں۔ میں تو ہما کے پاس کام سے گئی تھی۔ مگر وہاں وہ فرخ تھا۔ وہ بہت کمینہ ہے۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ میں گھر آ گئی بھاگ کر۔''

''اتنی دیر تک وہ آپ کا ہاتھ پکڑے تعوذ پڑھتا رہا۔ میرا مطلب ہے آعوذ باللہ۔'' وہ کاٹ دار لہجے میں پھنکارا، ''غالباً فرخ کا پیار کا نام ہما ہے.....؟''

''نہیں، وہ مجھ سے کافی دیر باتیں کرتا رہا تھا۔ میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں۔ مجھے معاف کر دیجئے۔'' وہ بری طرح رو رہی تھی۔ حواس ابھی تک ٹھکانے نہیں آئے تھے۔

''اب کیا ہو سکتا ہے جس بات کا خدشہ تھا وہ تم اپنی ہٹ دھرمی سے پورا کر آئی ہو۔''

''نہیں، نہیں..... آپ یقین کریں۔ میں اس کے منہ پر تھوک آئی۔ میں بھاگ آئی وہاں سے۔''

''اور دوپٹہ تبرکاً اسے بطور یادگار دے آئیں جو وہ فتح کا جھنڈا بنا کر اپنے گھر پر لہرائے گا۔ نائلہ.....! تم نے اپنی ہٹ دھرمی سے مجھے کہیں کا نہ چھوڑا۔'' اس کے لہجے میں تاسف تھا۔

''مجھے معاف کر دیجئے۔ میں اتنے کمزور کردار کی لڑکی نہیں ہوں کہ کوئی مجھ پر آسانی سے غالب آ جائے۔ آپ یقین کریں میری بات کا۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

وہ اسے اسی طرح روتا چھوڑ کر باہر نکل گیا۔

نائلہ کی زندگی میں زبردست تغیر آ گیا تھا جو چچی جان کے لئے حیران کن تھا۔ ہر وقت گھر میں مصروف رہتی۔ اسکول بھی چھوڑ دیا۔ وہ گھر پر ہوتا تو اس کے ماتھے کے بل دیکھتی رہتی۔

وہ بھی گھر پر ہوتے ہوئے اس کے پاؤں میں چکر رکھتا۔ کپڑے دھوؤ، لو یہ استری کرو، فلاں چیز پکاؤ۔ اور وہ بے چون و چرا اس کا حکم مانا کرتی۔

چچی جان ماتھے پر ہاتھ رکھ کر کوئی یادگار واقعہ یاد کرنے کی کوشش کرتیں جو اس تغیر کا سبب بنا۔ مگر ان کی سمجھ میں کچھ نہ آتا۔

وہ خاموشی سے اپنی قمیص استری کرتی ہوئی سوچوں میں گم تھی کہ وہ اندر آ گیا۔

''سیٹھ بندوق والا کو جانتی ہو......؟''

نائلہ نے نفی میں سر ہلایا۔

''ارے بڑا اعلیٰ انسان ہے۔ رشتہ مانگ رہا ہے تمہارا مجھے تو کوئی اعتراض نہیں۔ تم اپنی کہو۔''

وہ اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

وہ خاموش رہی۔

''اب دیکھو......! کوئی شاندار نوجوان تو تمہیں ملنے سے رہا۔ اگر اسے تمہارے ماضی کی ہوا لگ گئی تو اُنگلی پکڑ کر پھر ہمارے در پر چھوڑ جائے گا۔ اب میں نے ساری زندگی کا تو ٹھیکا نہیں لیا تمہارا۔ اگر کسی معزز نوجوان کے نصیب تمہارے ساتھ پھوٹ ہی جائیں تو ہوسکتا ہے فرخ جیلس ہو کر تمہارا دوپٹہ اسے جا کر دکھا دے کہ تمہاری بیوی نے رہن رکھوایا ہے۔ لہٰذا بہتری اسی میں ہے کہ تم سیٹھ بندوق والا کا رشتہ قبول کر لو۔ اسے تمہارے دوپٹے کی بھنک پڑ بھی گئی تو کہہ دینا تم کون سا کنوارے بانکے تھے۔ دو سوکنوں پر مجھے لائے تھے۔ اُمید ہے کہ لاجواب ہو جائے گا۔ ویسے حیرانی کی بات ہے پچاس سال کی عمر تک اتنی دولت ہونے کے باوجود اس کی ابھی تک صرف دو بیویاں ہیں۔ شرع کا بڑا پابند لگتا ہے۔ ہوسکتا ہے ایک تمہارے بعد لے آئے۔''

''عثمان پلیز......!'' وہ بری طرح رو دی۔

''اس طرح رونے دھونے سے کچھ کام نہیں چلے گا۔ آخر تمہیں کہیں ٹھکانے بھی لگانا ہے۔ میرے بھی دل میں ارمان ہیں آخر میں نے بھی بیوی بچوں کے ساتھ آباد ہونا ہے۔ میری بیوی کیا کہے گی......؟ سوچ کر جواب دے دینا یا پھر فرخ سے اپنا دوپٹہ لے آؤ۔ ٹھیک......؟''

وہ آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتی رہ گئی۔ اس رُوپ میں بھی کبھی وہ آ سکتا ہے، کبھی سوچا نہ تھا۔ وہ دیر تک ہلتے پردے کو دیکھتی رہ گئی۔ اور عثمان کے بارے میں سوچ سوچ کر حیران ہوتی رہی کیسا پینترا بدلا تھا اس نے۔

انہی دنوں رمضان آ گئے۔ بھری دوپہر لو سے پر فضا اچھے اچھوں کے چھکے چھوٹ رہے تھے۔ مگر جنہیں خدا نے توفیق دی تھی، ہمیشہ کی طرح اس ماہ مبارک کا سواگت کر رہے تھے۔ نائلہ تو ویسے بھی سدا سے پہلا روزہ ہوتا تھا۔ شوگر کی مریضہ چچی جان کا پہاڑ سا وجود گھل گھل کر آدھا رہ گیا تھا۔ دن بھر ان کے ہاتھوں میں انگریزی دوائیوں کی شیشیاں ہوتیں۔ وہ یہ بہانہ رکھتی تھیں کہ بیمار ہوں۔ شاید اس دن تیسرا روزہ تھا جب اس نے اپنے کمرے میں سحری کرتے ہوئے بوا سے پوچھا تھا۔

''بی بی سحری کر چکیں......؟''

''میاں صیب! وہ تو جمعے کا رکھیں گی۔''

''کیوں ان کی روزہ کشائی ہوگی جمعے کو......؟'' اس نے ماتھے پر بل ڈال کر پوچھا۔

بوا جاتے جاتے پلٹ پڑیں، ''جی......؟''

''کچھ نہیں۔'' وہ مصروف ہو گیا دوبارہ۔

مگر دوپہر کو وہ گرمی کی شدت سے بوکھلا کر گھر چلا آیا۔ ویسے بھی وہ آج کل سائٹ پر تھا۔ کھلے آسمان تلے دیر تک نہیں رُکا جا سکتا تھا۔

گھر میں حسبِ معمول بہت خاموشی تھی۔ بوا برآمدے میں پنکھا فل اسپیڈ میں چھوڑ کر سو رہی تھیں۔ کچن سے برتنوں کی آواز آئی تو وہ جانے کیوں اس طرف چلا آیا۔ دروازے کی طرف...... پشت کئے برنر کے آگے کھڑی نائلہ غالباً کھانا کھا رہی تھی۔ وہ اس کی پشت پر جا کر کھڑا ہو گیا۔ ایک پلیٹ میں قیمہ بھرے کریلے رکھے تھے، دوسری میں ماش کی دال اور تھوڑی ہری مرچیں علیحدہ رکھی تھیں۔ وہ کچر کچر ہری مرچیں دال کے ہمراہ کھا رہی تھی۔

''تو لنچ ہو رہا ہے......؟'' وہ آہستگی سے گویا ہوا۔

نائلہ بے ساختہ اُچھل پڑی۔ اور اسے دیکھ کر خفیف سی ہوگئی۔

''روزے نہیں رکھتیں.....؟''

''آج نہیں رکھا۔'' وہ شرمندگی سے بولی۔

''کل کب تھا۔ شرمندگی مجھ سے نہیں اللہ میاں سے ہونی چاہئے۔ بڑے افسوس کی بات ہے۔ خدا نے تمہیں صحت بھی اچھی خاصی دے رکھی ہے۔ شرم آنی چاہئے تمہیں۔''

''پورے روزے رکھا کرو۔ انتیس..... تیس۔''

''تیس.....؟'' (اب کیا تمہیں روزے دکھا کر رکھنا پڑیں گے)۔

''ارے کمزور نہیں ہو جاؤ گی۔ ویسے بھی سینھ بندوق والا بہت صحتمند ہے۔ اپنی پہلی بیویوں کے موٹاپے سے عاجز، دُبلی پتلی لڑکیوں پر جان دیتا ہے۔'' وہ اس کی سمت دیکھے بنا چلا گیا۔

اور اگلے روز وہ سحری کرنے کھانے کے کمرے میں آیا تھا اور نائلہ کو بھی وہیں بلوایا تھا۔ وہ اُونگھتی جھومتی چلی آئی۔ رات کے اس آخری پہر کچھ حلق سے نیچے بھی تو نہیں اُترتا تھا۔

دوپہر کو وہ پھر گھر چلا آیا۔ نائلہ کے کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس نے یوں ہی کمرے میں دیکھ لیا۔ وہ چاروں شانے چت پڑی تھی۔ جیسے کوئی ڈے کا مریض کھانس کھانس کر بے حال پڑا ہو۔

میں نے پوچھا کہ کل شب کہاں تھے پہلے شرمائے پھر ہنس کر بولے۔

آپ وہ بات کیوں پوچھتے ہیں جو بتانے کے قابل نہیں ہے۔

''ارے، ماہِ رمضان میں یہ عاشقانہ غزلیں سنتی ہو۔ کچھ شرم کرو۔ تعظیم کرو اس ماہ کی۔ کہاں سے لے آئیں یہ بیہودہ کیسٹ.....؟'' اس نے ''پش'' دبا کر کیسٹ نکالی۔

نائلہ نے اس کی جانب دانت پیس کر دیکھا۔ آف وائٹ شلوار قمیص میں اور لیدر کی سیاہ سلیپر میں وہ بے حد شاندار نظر آرہا تھا۔ اُونچے لمبے وجود کے ہمراہ بے حد مضبوط۔

اسے اس کی دلکشی کا پہلی بار اندازہ ہوا۔ حد یہ کہ یہ ''آمرانہ'' اسٹائل اس پر سج بھی بہت رہا تھا۔ نائلہ کے دل نے ایک انوکھی خواہش کر ڈالی۔ کاش.....! یہ ساری زندگی اس پر اسی طرح حکم چلائے۔

''مجھے پتا ہے یہ بدلے چکا رہا ہے۔ کینہ پرور کہیں کا۔''

''نہیں کروں گی اس بندوق والے سے شادی۔ صاف کہہ دوں گی۔ نہ بندوق والے سے نہ توپ والے سے، خواہ ساری زندگی شادی نہ ہو۔'' اس نے اٹل فیصلہ کر لیا۔ وہ جا چکا تھا۔ اس نے ہلتے ہوئے پردے کو منہ چڑا دیا۔ رات کے کھانے پر وہ تینوں بیٹھے تھے۔ چچی اپنی بیماری کی روداد بلکہ تازہ ترین رپورٹ سے آگاہ کر رہی تھیں کہ وہ درمیان میں بول اُٹھا۔

''چچی جان.....! آپ نے نور جہاں کی ''دوپٹہ'' دیکھی ہے.....؟''

اس نے گڑبڑا کر عثمان کو دیکھا۔

''اے ہاں..... دیکھی ہے تمہارے چچا کے ساتھ..... چند دن ہی ہوئے تھے میری شادی کو۔''

''کیسی ہے.....؟''

''اے بیٹا.....! اب کیا یاد رہے گی۔ عمریں گزریں۔ مگر تم کیوں پوچھ رہے ہو.....؟''

''ایسے ہی سنا ہے بہت اچھی ہے۔ عید کے بعد ایک بار اور دکھاؤں گا۔ آپ کو اور نائلہ کو۔''

چچی کے منہ میں نوالہ تھا وہ کچھ نہ بول سکیں۔

''اس فلم میں دوپٹے کا کیا ذکر تھا۔ کیا کوئی ولن نور جہاں کا دوپٹہ لے کر بھاگ گیا تھا.....؟'' اس نے چور نگاہوں سے نائلہ کا جائزہ لیا۔

''اے نہیں تو..... دوپٹہ تو کوئی لے کر نہیں بھاگا تھا..... کچھ یاد نہیں، بڑے ڈھیروں تو گانے تھے اس میں۔''

نائلہ کے حلق میں آنسوؤں کے گولے پھنسنے لگے۔ ''میں امی کو سب بات بتا دوں گی۔ ماں سے زیادہ کون ہمدرد اور رازدار ہوگا بھلا۔ میں کہہ دوں گی۔ میں بے گناہ ہوں۔ میں بے قصور ہوں اور ہم ان کی روٹیاں توڑ رہے ہیں نا، تو یہ سمجھ رہے ہیں ہم ان کے محکوم بن گئے ہیں۔ امی اگر آپ نے ان کی بات مان لی تو سینھ بندوق والے کا رشتہ قبول کر لیا تو زہر پھانک لوں گی۔'' وہ آنسو پیتی ہوئی کرسی دھکیل کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''اے بیٹی.....! کھانا نہیں کھا رہیں.....؟'' انہوں نے پریشان ہو کر بیٹی کو دیکھا۔

''بہت کھالیا ہے امی ...!'' وہ ڈھپ ڈھپ کرتی ہوئی باہر نکل گئی۔ تراشیدہ مونچھوں تلے مسکراتے لب چچی سے بھی پوشیدہ رہے۔

♦ ♦ ♦

''کیا بک رہی ہے لڑکی ...؟'' ان کے پاؤں تلے سے زمین سرک گئی۔

''امی ...! یہ صحیح ہے مگر وہ صرف میرا ہاتھ پکڑ رہا تھا مجھے نہیں پتہ دوپٹہ وہاں کب گر گیا۔''

''ارے وہ تو عثمان نے مجھے بہت پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ بہت بدنام گھرانا ہے مگر تیری نظر میں تو وہ قطب، اولیا کے حقے نولے ڈھونے والے تھے۔ اب دیکھ لیا نتیجہ... اگر عثمان کو پتہ چل گیا تو ...؟''

''نہیں پتا ہے امی ...!''

اور چچی کا دل، گویا بیٹھ گیا۔

''ارے تھوڑی بہت آبرو تھی اس کے سامنے، وہ بھی نہ رہی۔ کیا سوچ رہی تھی کیا ہو گیا۔ سوچا تھا سدا اسی گھر میں آباد رہے گی۔ اپنا بچہ ہے۔ مرد، مرد ہے۔ اب کوئی لاکھ قسمیں کھالے۔ اس کے سامنے حلف اُٹھا لے۔ شک کا بیج اُگنے کی دیر ہے ذرا سی دیر میں تناور درخت بن جاتا ہے۔ اور تجھے کس کمبخت نے کہا تھا کہ عثمان کو بتا۔''

''امی ...! جب میں بھاگ کر گھر آئی تو عثمان بھائی راستے میں کھڑے تھے۔'' اس نے ادب سے عثمان کا نام لیا۔

''میں جاؤں گی تیرا دوپٹہ لینے۔ ارے، مجھ مرتی کو مار رہے ہو۔'' وہ جھر جھر رونے لگیں۔

''کوئی ضرورت نہیں امی وہاں جانے کی۔ ہوسکتا ہے اس بات کا انہیں دھیان بھی نہ ہو۔ آپ کو میری قسم ...! آپ وہاں ہرگز نہیں جائیں گی۔''

''اے تو اس دن سب گھر والے ان کے کیا نشہ کر کے سوئے پڑے تھے......؟''

''امی ...! فرخ نے ہی مجھے فون کیا تھا کہ ہما بلا رہی ہے۔ مگر میں جب وہاں گئی تو دوسرا کوئی بھی نہ تھا۔ اس نے جھوٹ بولا تھا۔ کہنے لگا آ رہی ہے ہما۔ اور باتیں بھی کرتا رہا۔ پھر میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ مگر میں اس سے خود کو چھڑا کر بھاگ آئی۔''

اس دن کے تصور سے اسے جھرجھری آگئی۔

''اے بیٹی ....! یہ جو تیرے دماغ میں اتنا کلف لگا تھا اللہ نے یوں دھویا ہے مگر بچی۔ بھلا میرا کیا قصور تھا۔ کتنا روکتی تھی۔'' انہوں نے آنکھوں کے گوشے صاف کئے۔ ''ارے کچھ ہو گیا تو یہ بڑی بدنامی کی بات ہوگی۔''

نائلہ مجرموں کی طرح سر جھکائے باہر نکل آئی۔ ماں کو کہہ سن کر دل کا غبار ڈھل سا گیا تھا۔

♦ ♦ ♦

''کیوں بھئی روزے سے ہو... ؟'' وہ اسے دیکھ کر لان میں چلا آیا۔

''میرے حساب کتاب پر اللہ نے آپ کو مقرر کر رکھا ہے......؟'' وہ تلخ ہو گئی۔

وہ قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔

بھرپور مردانہ قہقہہ...... کانوں کو بے حد بھلا لگا۔ مگر وہ سر جھٹک کر رہ گئی۔

گویا رسی جل گئی بل باقی ہیں۔ اس نے گھورا۔

''میں تو دراصل تم سے یہ پوچھنے آیا تھا۔ کیا سوچا تم نے سیٹھ کے بارے میں......؟''

''نہیں کرنی مجھے کسی توپ بندوق والے سے شادی۔'' وہ پھٹ پڑی۔

''تو کیا ایف 16 کا پائلٹ چاہئے۔ مگر بھئی اس بے چارے کے بھی اپنے آدرش ہوں گے۔ ضروری تو نہیں تم جس پر ہاتھ رکھ دو وہی تمہارا ہو جائے۔''

''عثمان بھائی پلیز... !'' وہ روہانسی ہو گئی، ''آپ پہلے تو ایسے نہیں تھے۔ کیا فائدہ ایسے نماز روزے کا جب کسی کی بے بسی پر ہنسا جائے۔ مجبوری کا فائدہ اُٹھایا جائے۔''

''تم نے کیا سمجھا تھا میں ساری عمر گاؤدی رہوں گا۔ گاؤدی تو میں اس وقت بھی نہیں تھا۔ بس تم ہی لوگ بنانے پر تلے ہوئے تھے۔ دس سال بہت ہوتے ہیں نائلہ بیگم ...! دس سالوں میں تو دس جانوروں کو سدھایا جا سکتا ہے۔ اور پھر میں تو کم و بیش انسان ہوں۔ دیکھو اس وقت تمہارے سامنے کھڑا ہوں۔ میں بھی تمہارے آبائی شہر کا معزز شہری ہوں، اپنی انفرادیت

حیثیت منوا رہا ہوں۔ کیوں غلط کہا میں نے ......؟ تمیزدار تو تم بھی بہت ہوئی جارہی ہو میری صحبت میں۔ پہلے ''تم'' پھر ''آپ'' اور اب ''بھائی'' کا دُم چھلا بھی لگا دیا ہے۔ خوب......''

''خدا کے لئے میرے حال پر رحم کریں۔''

''ارے تم عید کی تیاریاں نہیں کررہیں۔ بھئی، رقم تو چچی جان کے پاس ہوتی ہے۔ جتنی چاہو لے لواپنے گھر میں تو تم رمضان کا چاند دیکھتے ہی شاپنگ بیگ اُٹھا لیتی تھیں۔ میں ٹیلر سے کپڑے لینے جارہا ہوں۔ چلنا ہے تو چلو۔'' اس نے آفر کی۔

''نہیں جانا مجھے۔'' وہ پیر پٹختی اندر چلی گئی۔ ''توبہ کتنے بدل گئے ہیں۔ ایسوں کے تو اللہ روزے بھی قبول نہیں کرے گا جو دوسروں کو ناحق ستاتے ہیں۔'' اس نے جل کر سوچا۔

وہ نہانے کے خیال سے سر میں تیل مل رہی تھی کہ وہ اندر چلا آیا۔

اسے دیکھ کر اس پر نزع کی سی کیفیت طاری ہونے لگتی تھی۔

عطاء اللہ کی کیسٹ وہ اس کی دراز سے چپکے سے نکال لائی تھی وہی بج رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی اس نے ٹیپ بند کردیا۔

''چوری...... وہ بھی گانوں کی۔ اب تو دیکھنا پڑے گا کہ کیا کیا اُڑا لائی ہو میرے کمرے سے۔'' وہ خاموش کھڑی تیل ملتی رہی۔

''کل آئے گا سیٹھ...... عید ملنے۔ لہٰذا تمہارے لئے یہ ساڑھی لایا ہوں۔ یہ کچھ اور پیکٹ ہیں تمہاری ضروریات کے۔ اُمید ہے پسند نہیں آئیں گے۔ مجھے تو سیٹھ پر ترس آرہا ہے۔ کاش...... !وہ دوہی پر قناعت کرلیتا۔ وہ دونوں ایک طرف تم اکیلی ایک طرف۔'' وہ مسکرایا۔

''ویسے رویت ہلال کمیٹی نے ابھی تک چاند نہیں دکھایا سنا ہے سرحد میں نظر آگیا ہے اُمید تو یہی ہے کہ کل عید ہوگی۔'' اس نے ساز و سامان اس کے بستر پر پھینک دیا۔

''ذرا اچھی طرح تیار ہوجانا۔ ان میں ایک ریڈی میڈ شلوار قمیص بھی ہے۔ دوپٹہ نہیں ملا کوئی ڈھنگ کا۔ فرخ کہہ رہا تھا میں لے آؤں گا۔ ملا تھا راستے میں مجھے۔''

اس نے متوحش نظروں سے عثمان کو دیکھا مگر اس کے چہرے پر مسکراہٹ کی روشنی دیکھ کر وہ وہیں گر کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''اس طرح جتانے سے کیا فائدہ۔ آپ صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیتے کہ آپ مجھے

ایک بری اور کمزور کردار کی لڑکی سمجھتے ہیں۔ نہیں آتا یقین تو نہ آئے۔ جائیے جو چاہیں کیجئے۔ میں بری ہوں تو نکال دیجئے مجھے دھکے دے کر۔'' وہ بری طرح رو رہی تھی۔

''نائلہ...... !'' ویری سوری۔ میں تو تمہیں ایسے ہی تنگ کررہا تھا۔ تم اس بری طرح رو دیں۔ بھئی، تم جب جل کر کوئی جملہ بولتی ہو تو بہت آفت لگتی ہو۔ اور دیکھو۔''

اس نے بیڈ پر سے کوئی چیز اُٹھائی مگر اس نے نہیں دیکھا۔ بلکہ مزید منہ موڑ لیا۔

''پلیز...... !نائلہ...... !ایک نظر۔''

اس نے روئی روئی آنکھیں عثمان کی جانب اُٹھائیں۔

''میری طرف نہیں، ادھر......'' اس نے اپنے ہاتھ کی جانب اشارہ کیا۔ اس نے جھینپ کر نگاہوں کا زاویہ بدلا۔

''اوہ......!'' اس نے جھپٹ کر اس سے دوپٹہ چھین لیا۔ ''یہ...... یہ...... یہ کہاں سے ملا......؟''

''کہیں سے بھی آیا...... آتو گیا......''

''پلیز......! بتائیں نا......'' اس نے منت کی۔

''یہ تو اگلے ہی روز ہمادے گئی تھی کہ شاید تم چادر پہن کر گئی تھیں۔ دوپٹہ وہیں بھول آئیں اور چادر اوڑھ کر گھر آگئیں۔ میں نے اس کی باتوں سے اندازہ لگایا وہ لڑکی اتنی بری نہیں۔ کئی مرتبہ اس نے تمہیں بلایا مگر میں نے منع کردیا۔ اب شاید سمجھ گئی ہے کہ ہم لوگ ان سے ملنا نہیں چاہتے۔ ویسے اس نے واقعی دوستی نبھائی۔''

وہ سرمئی دوپٹہ ہاتھوں میں اُلٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔

''آپ نے کیوں مجھے اس قدر ستایا......؟'' وہ شکوہ کناں ہوگئی۔

''تمہیں کچھ احساس دلانے کے لئے۔'' اس نے آہستگی سے کہا۔ ''ایک بات تمہیں ضرور کہنا چاہوں گا۔ نائلہ......! ہم مرد بظاہر کتنے ہی روشن خیال کیوں نہ نظر آئیں مگر اندر سے بہت برے ہوتے ہیں۔ تم کمینے کہہ لو ہم صرف اس عورت کو اپنے دل میں اعلیٰ مقام دیتے ہیں جو مصفا، شفاف اور صرف ہماری ہو۔ یعنی اس کے ذہن پر اور کوئی مسلط نہ ہو۔ مرد ہر معاملے میں فراخ دل ہوسکتا ہے مگر اپنی عورت کے بارے میں نہیں۔''

''عورت کے قدم بھاگتے اچھے نہیں لگتے۔ اسے رُک رُک کر سنبھل سنبھل کر چلنا چاہئے۔ تمہیں دوپٹے کی کس قدر فکر رہی۔ کوئی بھلا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ نائلہ.....! ایک دوپٹہ تو یہ ہے کہ جو تم میچنگ ملا کر پہنتی ہو۔ اور ایک آنچل وہ ہے جسے حیا کا آنچل کہتے ہیں۔ جس کے بغیر عورت حسین کہلا ہی نہیں سکتی۔ تم اس حیا کے آنچل کی حفاظت کرنا۔ یہی میرا پسندیدہ دوپٹہ ہے۔ میں نے تمہارے بارے میں اور فرخ کے بارے میں بہت سوچا مگر تم مجھے سچی نظر آئیں۔ اگر میں تم میں ذرا بھی کھوٹ دیکھتا تو تمہاری سمت دیکھنا بھی گوارا نہ کرتا۔ عورت کی خوبصورتی اور بھلائی اسی میں ہے کہ وہ کسی ایک کی ہو اور ٹوٹ کر ہو۔'' پھر مسکرا کر جھکا۔

''ہوں..... تو پھر کیا ارادے ہیں.....؟ سینھ.....''

''پلیز.....!'' نائلہ نے ملتجی نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ ہنس پڑا۔

''ارے ہم کسی سینھ سے کم ہیں کیا.....؟''

''اے..... نائلہ بی بی.....! چاند نظر آ گیا ہے۔ کہاں ہیں آپ.....؟'' بوا اسے آوازیں دے رہی تھیں۔ وہ فوراً باہر نکل گیا اور وہ سرمئی دوپٹہ سر پر پھیلا کر خوش کن تصورات میں مسکرا پڑی۔ کتنی ہی دیر وہ اسی طرح بیٹھی رہی پھر اُٹھ کر مہندی اُٹھا لائی اور ہاتھ سجانے لگی۔ اس دم بوا اندر آئیں

''کھانا کھالیں بی بی .....! آپ کا انتظار ہو رہا ہے۔''

''مجھے بھوک نہیں ہے بوا.....!'' اس نے بے نیازی سے جواب دیا۔ ''میں مہندی لگا رہی ہوں۔ صبح عید ہے۔''

کیسٹ کی آخری غزل بھی آخری مرحلے میں تھی۔

میں نے خط لکھ کر ان کو بلایا آ کے قاصد نے دکھڑا یا سنایا۔

ان کے پاؤں میں مہندی لگی ہے آنے جانے کے قابل نہیں ہے۔

معنی کی پرسوز آواز کھانے کے کمرے تک بخوبی پہنچ رہی تھی۔

⌘ ⌘ ⌘